امام جعفر صادقؑ
اسلامی امت کے منارۂ فکر

آیت اللہ شیخ جوادی آملی مدظلہ

ترجمہ: مولانا سید احتشام عباس زیدی صاحب

امام صادق علیہ السلام امامت وولایت عامہ کی فضیلت کے علاوہ دوسرے خصوصیات کے حامل بھی ہیں اور ائمہ اطہارؑ کے مانند آپؑ کا نام نامی بھی حضرت حق کے اسماء حسنہ کا مظہر ہے۔ حضرت جو صادق کے لقب سے ملقب ہوئے ہیں بنی نوع انسان کو صداقت کے حصول کی دعوت دیتے ہیں اور فرماتے ہیں: ''بات کرنے سے پہلے صداقت وسچائی کے آداب سیکھو'' اگر کلام وگفتگو نظری امور سے متعلق ہو تو حق کہو اور اگر عملی امور سے مربوط ہو تو عمل میں سچے رہو۔ جب تک انسان خود صداقت کی میزان نہ بن جائے سچائی سے آگاہ نہیں ہے۔ اور اگر وہ سچائی سے آگاہ نہیں ہے تو کلام یا گفتگو کا معیار نہیں سمجھ سکتا۔ نہ وہ صحیح طور سے بات کرسکتا ہے اور نہ اہل کلام کی گفتگو کا معیار سمجھ سکتا ہے۔ کیونکہ کلام کا معیار صداقت ہے اور سچائی انسان کے خمیر میں شامل ہے۔ جب تک روح صادق نہ ہو انسان کبھی کلام وگفتگو کا معیار حاصل نہیں کرسکتا۔

یہ صداقت وہی حق ہے اور حق کی تشخیص کا واحد محور عقل ہے۔ حضرتؑ نے ہم کو صداقت کے محور کی تعیین یعنی عقل کی طرف دعوت دی ہے اور فرمایا ہے: ''انسانی زندگی کی اساس وبنیاد فکر وعقل ہے''۔ اگر نظری مسائل میں کہا گیا ہے کہ ''اے انسان تو وہی فکر وعقل ہے'' تو عملی مسائل میں بھی یہ کہا گیا ہے کہ ''اے انسان تو دراصل وہی ارادہ ونیت ہے۔''

ایک انسان کو بخوبی غور وفکر کرنا چاہیے اور اپنی ان سمجھی ہوئی باتوں پر بخوبی عمل کرنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ششمؑ فکر کی بنیاد کو بھی عقل کہتے ہیں اور عمل کی بنیاد کو بھی کیونکہ عقل ہی کے ذریعہ ''یُعْبَدُ الرَّحْمٰنَ وَیُکْتَسِبُ الْجِنَانَ'' رحمان کی عبادت کی جاتی اور جنت ہاتھ آتی ہے۔ یہ ائمہؑ اسلامی امت کی منفصل عقل ہیں جیسا کہ ہم زیارات جامعہ میں ان حضراتؑ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں ''بِکُمْ یُعْبَدُ الرَّحْمٰنُ'' اگر ہر انسان کی عقل اس کی عبادت کا معیار ہے تو ائمہ معصومینؑ امت اسلامی کی عقل ہیں اور اگر اسلامی امت کو عبادت کی توفیق حاصل ہے تو یہ ائمہؑ سے ارتباط کا نتیجہ ہے (بِھِمْ یُعْبَدُ الرَّحْمٰنُ) تاکہ انسان نظری یا نظریاتی پہلو سے بھی قوی وتوانا عاقل ہو اور عملی منزل میں قوی ارادہ کا مالک ہو۔ انسان دو ہم آہنگ حقیقتوں یعنی جسم وروح کا مرکب نہیں ہے اس کی حقیقت ایک ہی ہے جس کی اصل روح اور فرع جسم

انسانی ہے۔ حضرت نے فرمایا: ''اگر روح نے کوئی فیصلہ کرلیا تو جسم اس کے اظہار میں کمزوری نہیں دکھاتا''، ممکن نہیں ہے کہ روح تو قوی ارادہ کی مالک ہو لیکن جسم معطل و بیکار رہے۔ اگر جسم نے کمزوری ظاہر کی تو یہ روح کے ارادہ کی کمزوری کا نتیجہ ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ جسم، ارادہ کے سلسلہ میں روح کے برابر اہم و مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔ یہ ہماری درخشاں روایات میں سے ہے کہ حضرت نے فرمایا: ''اگر ایک قوم کا ارادہ مستحکم ہو تو اس قوم کا جسم ہرگز کمزوری کا اظہار نہیں کرتا''۔ اگر ایک ملت کی روح قوی ہو جائے تو جسم بیکار یا کمزور نہیں رہتا۔ اگر امیر کلام یعنی حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے ارشاد میں ہمیں ملتا ہے کہ ''نفس مرضیہ، قوت ارادہ کی بنیا پر ہے۔'' یا اگر حضرتؑ فرماتے ہیں کہ ''میں نے باب خیبر کو اپنے جسم کی قوت کے ذریعہ نہیں اکھاڑا بلکہ ارادہ کی قوت سے اکھاڑا ہے''، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ارادہ قوی ہو تو جسم بھی قوی ہو جاتا ہے۔ روح کی طاقت ہے جو جسم کو بھی طاقتور بنا دیتی ہے، کیونکہ روح کی کمزوری ہی بدن میں ظاہر ہوتی ہے۔ امام صادق علیہ السلام کا یہ ارشاد ہر انسان کو ارادہ میں قوت پیدا کرنے کے لیے یہ حکم دیتا ہے کہ انسان خدا کے سوا کسی اور چیز کے بارے میں فکر نہ کرے۔ جو شخص مادی مسائل میں قوی ہے، وہ ارادہ کی کمزوری اور جسم کی ناتوانی کا شکار ہوتا ہے اور جو شخص گناہ کے سلسلہ میں قوی ہے وہ اسیر ہے اور اسیر انسان ذلیل ہوتا ہے۔ جو شخص ظلم و ستم کرتا ہے، چاہے خود پر ظلم کرے یا غیر پر، ذلیل و خوار ہے اور ذلیل و خوار انسان قوت ارادہ سے محروم رہتا ہے۔ امام صادقؑ نے فرمایا: ''ستم گر ذلیل و خوار ہے۔'' ذلت ظلم میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور عزت اطاعت میں جلوہ نما ہوتی ہے۔ جو شخص اپنے غرائز کو رام نہیں کر سکتا، ذلیل انسان ہے اور جو اپنی خواہشات پر قابو نہیں پا سکتا وہ بھی ذلیل ہے، کیونکہ سوائے ذلیل و خوار انسان کے کوئی شخص ظلم برداشت نہیں کرے گا۔ حضرت امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے کہ: ''ذلیل و فرومایہ انسان کے علاوہ کوئی شخص ظلم برداشت نہیں کرتا۔'' اگر ستم کرتا ہے تو ذلیل ہے اور اگر ستم برداشت کرتا ہے تو بھی ذلیل ہے۔ ارادہ کی قوت انسان کو عدالت و انصاف کی طرف بلاتی ہے کہ نہ وہ خود جارح ہو اور نہ جارحیت برداشت کرے۔ اور اگر انسان حق کی قدرت پر بھروسہ کرتے ہر ستم سے ٹکرا سکتا ہے تو ارادہ کی وسعت سے مدد کیوں نہیں لیتا اور بلند ہو کر ظالم کے دست ظلم کو قطع کیوں نہیں کر ڈالتا؟ امام ششمؑ نے فرمایا: مظلوم کی آہ اور ستم زدہ کی دعا فلک سوز ہوتی ہے۔ یہ کلمہ طیبہ ہے اور امام صادقؑ قرآن کی وضاحت کرنے والے فرماتے ہیں: ''ستم زدہ شخص کی دعا آسمان تک پہونچتی ہے۔'' اس آسمان سے مراد یہ بلند و بالا فضا نہیں ہے بلکہ وہ آسمان ہے جہاں ہمارا رزق موجود ہے وہ آسمان جس کے در مومنین پر کھلے ہوئے ہیں اور کفار پر ہرگز کھولے نہیں جاتے ۔ وہ آسمان جس پر خدا کے خاص فرشتے مامور ہیں۔ جو آسمانی وحی کو حاصل کرنے والے ہیں، یہی وہ آسمان ہے جہاں ستم زدہ افراد کی دعا صعود کر کے پہونچتی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ جان لے کہ اس کی دعا آسمانوں میں در آتی ہے تو نہ وہ ہرگز ستم برداشت

کرسکتا ہے نہ ظلم کرنے پر آمادہ ہوگا۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کی تعلیم ہمیں امام صادقؑ نے دی ہے اور ارادہ (یعنی حقیقت عقل) میں قوت پیدا کرنے کا ذریعہ عبادت کو قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں ''ارادہ میں قوت وطاقت پیدا کرنے کی واحدراہ عبادت ہے۔''

عبادت کے علاوہ نیت وارادہ کوقوی بنانے کی کوئی اور راہ نہیں ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا ''خدا سے اس طرح ڈرو گویا خدا کواپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔'' اگر یہ کہا گیا ہے کہ ''اَلْاِنْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ... '' تو یہ ان ہی ارشادات کا پرتو ہے۔ حضرتؑ فرماتے ہیں کہ خدا سے یوں ڈرو گویا اسے دیکھ رہے ہو۔ اگرتم خدا کونہیں دیکھتے، وہ توتمہیں دیکھ رہاہے۔ اگرتم یہ سوچتے ہوکہ خداتمہیں نہیں دیکھتا تو یہ ایک کفر آمیز خیال ہے۔ اور اگرتم جانتے ہوکہ خداتمہیں دیکھ رہاہے، اس کے باوجود تباہی وفساد کی طرف مائل ہوتے ہوتو گویا تم نے خدا کو پست ترین دیکھنے والاسمجھا ہے کیونکہ دوسرے دیکھنے والوں کے سامنے توتم گناہ کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے لیکن خدا کے سامنے گناہ انجام دیتے ہو؟

خود امامؑ نے ''اِنَّہٗ یَرَاکَ'' (وہ تمہیں دیکھتا ہے) کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے شاگردوں سے فرمایا ''کَاَنَّکَ تَرَاہُ'' جس طرح تم اسے دیکھ رہے ہو۔ لہٰذا خدا سے ڈرو۔ یہ جہنم کا خوف نہیں ہے اور نہ یہ نفس کا خوف ہے بلکہ یہ عقلی خوف ہے۔ امام کے دل میں بھی خوف خدا اس قدر ہے گویا وہ خدا کو دیکھ رہے ہیں۔ امام، امت کیلئے اسوہ ونمونہ ہیں۔ خدا کو دیکھتے ہیں اور خوفزدہ ہیں اورامت گویا خدا کو دیکھتی ہے اور خوف زدہ نہیں ہوتی۔

امام ششمؑ نے ہمیں اس بلند مقام کی تعلیم دی ہے۔ جب ابن ابی العوجاء نے مناظرہ کے وقت امام سے عرض کیا کہ آپ ہمیں غائب کا حوالہ دیتے ہیں؟ اورہمیں ایک غائب امر کی طرف دعوت دیتے ہیں؟ ہم جب تک کسی چیز کو دیکھ نہیں لیتے اور محسوس نہیں کر لیتے اسے تسلیم نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابن ابی العوجاء کا نظریہ مادی تھا اور وہ حس کی حقیقت کا طرفدار تھا۔ حضرت نے جواب میں اس سے فرمایا: میں تمہیں ایک شاہد وحاضر کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔ خدا غائب نہیں ہے، وہ تو تمہارے ساتھ ہے۔ کوئی جگہ اس سے خالی نہیں ہے اور تم ہر حالت میں خدا کے روبرو ہو۔

خالق اور مخلوق

یہ اسی شخص کا کلام ہے جو خدا کو اپنی روح کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے ظاہری آنکھوں سے نہیں۔ امام صادقؑ جو اس مقام سے ومنزلت سے ہمکنار ہوئے ہیں حضرت امیرالمومنینؑ کے مانند ہیں جوخود فرماتے ہیں اور جمال الٰہی کا نظارہ کرتے ہیں اور دوسروں کوبھی اس دیدار کی دعوت دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: ''تم اس مقام تک پہونچ سکتے ہو گویا خدا کو دیکھ رہے ہو اور یہ منزلت ومقام صرف اور صرف عبادت کے ذریعہ میسر ہوسکتا ہے۔'' جولوگ امامؑ کے لیے حد امکان سے بلند مقام کے قائل تھے، ائمہ معصومینؑ ان کی اس فکر کو غلط قرار دیتے تھے۔ ایک شخص جو امام صادقؑ کا مرتبہ حد

امکان سے بڑھ کر خیال کرتا تھا، جب حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے وضو کیلئے پانی منگوایا۔ وضو کیا اور عبادت میں مشغول ہوئے۔عبادت سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے فرمایا ''کسی بھی پایہ پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ مت ڈالو، ہم موجود اور مخلوق ہیں۔مخلوق پر خالق کا بلند مقام و مرتبہ بار نہ کرو کیونکہ مخلوق میں اس کے تحمل کی طاقت نہیں ہے۔ یہ مرتبہ ہمارا نہیں ہے، ہم کو بندہ کی حد سے بلند نہ کرو اور حدود امکان سے آگے نہ بڑھاؤ۔''

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ ائمہ معصومینؑ بندگان خدا اور مخلوق خدا ہیں اور عبادت کے ذریعہ اس عظیم اور بلند درجہ تک پہونچے ہیں، تو اب ہم دیکھیں کہ اس اوج وکمال پر امام صادقؑ کیا فرماتے ہیں صارع ابن ابی حفصہ کا بیان ہے کہ امام محمد باقرؑ کی شہادت و رحلت کے بعد حضرت امام صادقؑ کی خدمت میں تعزیت ادا کرنے کے لئے حاضر ہوا۔امام کے پاس پہونچ کر میں نے کلمہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ زبان پر جاری کیا اور عرض کیا کہ امام باقرؑ کی رحلت نے ایک ایسا خلاء پیدا کر دیا ہے جسے پر نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ وہ ایسی شخصیت تھے جو ''قال رسول اللہ'' کہتے تھے اور کسی میں امام سے یہ پوچھنے کی جرأت نہیں تھی کہ آپ نے تو پیغمبر اکرمؐ کو دیکھا نہیں پھر آپ قال رسول اللہ کیسے کہتے ہیں؟ پھر آپؑ اور پیغمبرؐ کے درمیان کافی فاصلہ تھا، آپؑ رسول خدا کی حیات طیبہ کے دوران دنیا میں نہیں تھے پھر آپؑ کیسے پیغمبرؐ سے براہ راست حدیث نقل کر رہے ہیں جبکہ آپؑ نے انہیں نہیں دیکھا؟ ہم ایک ایسے امام سے محروم ہوئے ہیں۔

''صارع ابن ابی حفصہ'' کہتے ہیں جب میری بات تمام ہوئی تو میں نے دیکھا کہ امام صادقؑ نے ایک لمحہ سکوت فرمایا اسکے بعد سر کو بلند کیا اور فرمایا ''خدا فرماتا ہے اکثر تم میں سے کوئی شخص آدھے خرمے کے برابر صدقہ دیتا ہے اور میں اس آدھے خرمہ کو پروان چڑھا کر کوہ احد کی مانند کر دیتا ہوں، جیسے تم ایک بکری کے بچے کو پال کر بڑا کرتے ہو۔''

صارع کہتے ہیں: میں تعجب کرنے لگا، آخر یہ کون شخص ہے جو بلا کسی واسطہ کے خدا کا قول نقل کر رہا ہے۔امام باقرؑ بلا واسطہ پیغمبرؐ کا قول نقل فرماتے تھے لیکن امام صادقؑ تو بلا واسطہ خدا کا قول نقل کر رہے ہیں۔ یہ حضرات کون ہیں اور کیا تھے اور آخر کس راہ سے اس کمال کو پہونچے ہیں؟ آخر ایک ملکوتی انسان کس طرح بلا واسطہ خدا کا قول نقل کر رہا ہے؟ اگر چہ وحی تشریحی نبی و رسول سے مخصوص ہے لیکن وحیِ تکمیلی اور وحیِ تائیدی اور وحی کے تمام دیگر سلسلے ولایت کا حصہ ہیں۔ اس باطن میں دوسرے شریک وسہیم ہیں دیگر تمام افراد کے پاس جو کچھ بھی ہے اسی ولایت کی برکت سے ہے۔امام صادقؑ اس منزل پر ہیں کہ ایک بات براہ راست خدا سے نقل کر رہے ہیں جو شخص خدا کو دل کی آنکھوں سے دیکھتا ہے کلام خدا کو بھی دل کے کانوں سے سنتا ہے۔اگر انسان کامل پہلا صادر ہونے والا یا پہلا ظاہر ہونے والا انسان ہے اور دیگر موجودات بعد میں صادر وظاہر ہوئے ہیں تو جو فیض بھی دیگر موجودات تک پہنچتا ہے اسی انسان کامل کے صدور یا ظہور کی برکت سے ہے۔

خدا سے رابطہ

''صارع ابن ابی حفصہ'' کہتے ہیں، مجھے جو بھی ضرورت پیش آتی امام صادقؑ بلا فاصلہ اس سلسلہ میں خدا کا قول نقل فرما دیتے۔ گویا ہمارے مذہب کا امام ورہبر وہ ہے جو خدا سے براہ راست رابطہ رکھتا ہے۔ اب دیکھئے کہ جو ہمارا رہبر ہے اسلام اوردنیا کے مسلمانوں کا رہبر ہم سے کیا کہتا ہے۔ امام صادقؑ سے ہم تک کچھ فرمائشات پہونچی ہیں جن میں سے کچھ فرمائشیں میں یہاں بیان کرتا ہوں تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ حضرت اسلامی امت کی اصلاح کے سلسلہ میں کس قدر مہربان، کوشاں اور دردمند وخیر خواہ ہیں۔

امام باقرؑ نے امام صادقؑ کے بارے میں فرمایا: ''امام صادقؑ ائمہ معصومینؑ کے علاوہ روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں سے افضل وبرتر ہیں''

امام صادقؑ فرماتے ہیں: ''اپنی رحلت کے وقت پدر بزگوار امام باقرؑ نے مجھ سے وصیت کی کہ اپنے اصحاب تک خیر پہونچاؤ۔ انہوں نے فرمایا کہ: ہماری امت اور ہمارے دوستداروں تک خیر پہونچاؤ اور انہیں ان کی ضرورتوں کے سلسلہ میں دوسروں سے بے نیاز کر دو۔'' امام صادقؑ فرماتے ہیں: پدر بزرگوار کی وصیت نے مجھ پر اس قدر اثر کیا ہے کہ خدا

کی قسم جہاں تک مجھ سے ہوسکتا ہے اپنی امت کے استقلال اور اسے دوسرے سے مستغنی و بے نیاز بنانے میں کوشاں رہتا ہوں۔''

امام صادقؑ فرماتے ہیں: خدا کی قسم میں اپنی امت کے درمیان کسی کو دوسرے کا محتاج نہ رکھوں گا اور کوشش کروں گا کہ وہ علمی، فکری اور سیاسی مسائل میں خود مستقل ہو، دوسرے کا محتاج نہ رہنے پائے۔'' یہ امام صادقؑ کا ارشاد ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: ''اے لوگوں! اگر تم اپنے معاشرہ کو ہمہ جہت متمدن اور ترقی یافتہ بنانا چاہتے ہو تو تمہارے لیے ان اصولوں کی رعایت ضروری ہے۔ ان میں سے بعض اصول رفاہی مسائل سے مربوط ہیں اور بعض جو اساس وبنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں اعتقادی اور بنیادی وحقیقی تمدنی مسائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ رفاہی مسائل سے مربوط اصول تین ہیں۔ جن کے بغیر انسان کی زندگی خوشگوار نہیں ہوسکتی۔

(۱) صاف اور اچھی ہوا۔ (۲) فراواں پانی۔ (۳) کھیتی اور دوسرے کاموں کے لئے نرم اور آمادہ زمین۔ یعنی کوشش کرو کہ جہاں تم رہتے ہو وہاں کی ہوا صاف و سالم رہے۔ پانی پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ اسے اچھی طرح استعمال کرو اور یہ کوشش کہ تمہارے پاس فراواں پانی موجود رہے۔ ایسی سرزمین حاصل کرو جو کھیتی اور باغات کیلئے مناسب ہو۔ یہ باتیں رفاہی مسائل سے مربوط ہیں۔ لیکن جو اصول ایک اسلامی معاشرہ کی اساس وبنیاد ہیں کہ اگر کوئی قوم ان سے عاری ہو تو وہ متمدن اور مہذب ہی نہیں ہے۔ امام صادقؑ کی نگاہ میں یہ تین اصول ہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی

ہیں جن سے کوئی انسانی گروہ بے نیاز نہیں ہے۔اگر ایک قوم فقیہ عادل کی راہنمائی سے محروم ہو۔اگر ایک ملت طاقتور فوج اورمہربان وخیرخواہ حکام سے محروم ہواور اگر کوئی قوم قابل اعتماد طبیبوں سے محروم ہوتو وہ سراسر تمدن وسعادت سے محروم ہے۔ سب سے پہلی ضرورت ایک بلند مرتبہ فقیہ کی ضرورت ہے تا کہ وہ دین کے ضروری احکام لوگوں کو تعلیم دے۔دوسرے خیرخواہ ومہربان فرمانرواو حکام ہیں،تا کہ عوام ان کی اطاعت کریں۔اورتیسری ضرورت معاشرہ میں بابصیرت، بیدار دل اور پاک طینت اطباء کا وجود ہے۔

یہ ساری چیزیں فراہم کرنے کی تعلیم ہمیں امام صادقؑ نے دی ہے تا کہ لوگ ان اصولوں سے آشنا ہوں۔اور جب اپنے مخصوص شاگردوں کو دیکھتے تھے تو فرماتے تھے:"یہ جومیری دینی درسگاہ اور الٰہی دانشگاہ بند کر دی گئی ہے اسکی شکایت وفریاد میں خدا کی بارگاہ میں لے جاؤں گا۔کاش یہ طاغوت (آپ کے عہد کا ظالم بادشاہ) مجھے مہلت وموقع دیتا تو میں طائف میں (جس کی آب وہوا اچھی ہے) دینی تعلیم کا مرکز قائم کرتا۔خود طائف جاتا اورتم لوگوں کو طائف آنے کی دعوت دیتا اور وہاں تمہیں اسلامی علوم واصول سے آگاہ کرتا۔" یہ امام صادقؑ کی خواہش وتمنا ہے۔اگرکسی کے پاس امکانات موجود ہیں اور وہ جوان ہے تو خود کو بیکار اور کاہل نہ ہونے دے کیونکہ اگر اس میں کاہلی اور جمود پیدا ہو گیا تو گویا امام سے اس کا رابطہ مستحکم نہیں ہے۔

حضرتؑ نے فرمایا: کاش اگر یہ طاغوت مجھے مہلت دیتا کہ میں طائف میں ایک تعلیمی مرکز قائم کرتا وہاں شاگردوں کو تربیت دیتا اور یہ تمام چیزیں اپنے شاگردوں کو تعلیم دیتا تا کہ وہ ان الٰہی علوم سے آشناہوتے۔دیکھئے! لوگوں کو آگاہ کرنیکے لئے امام صادقؑ کس قدر کوششیں فرماتے ہیں۔یہ تمام باتیں امامؑ نے ہم سے اس عنوان سے فرمائیں کہ وہ اپنے شاگردوں کو عالم ملکوت میں عظیم مقام سے ہمکنار کرنا چاہتے ہیں۔ امامؑ نے فرمایا: جانتے ہو کون سا گروہ امامت سے ہمکنار ہوسکتا ہے۔کون سا گروہ وارثین انبیاؑء کی صف میں آسکتا ہے؟ کون سا گروہ انبیاء کرامؑ کے صالح اخلاف میں شمار ہوسکتا ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں جو اگر چہ زمین پر کمزور ومستضعف ہیں لیکن باطن میں عظیم عالم ہیں۔امام صادقؑ کے مکتب فکر میں وہی کمزور ومستضعف کامیاب ہوسکتا ہے جو صرف روئے زمین میں مستضعف ہو۔اگرکوئی شخص روئے زمین پر بھی مستضعف ہواور عالم ملکوت میں بھی، کامیاب نہیں ہوسکتا۔وہی شخص کامیاب ہوسکتا ہے جوصرف روئے زمین پر کمزور ومستضعف ہو۔مومن اگر مستضعف ہے تو اس کی یہ کمزوری اورناتوانی صرف زمین پر ہے لیکن عالم ملکوت میں وہ عزیز وسر بلند ہے۔امام صادقؑ نے اپنے آگاہ ودانا شاگردوں کا تعارف آسمانوں اور عالم ملکوت کے عزیز وسر بلند افراد کی حیثیت سے کرایا اور فرمایا: جوشخص خدا کے لئے علم حاصل کرے اور خدا کی رضا کیلئے اپنے علم پر عمل کرے نیز خدا کی رضا کیلئے دوسروں کو اپنے علم سے بہرہ ورکرے وہ باطن میں عالم وسر بلند ہے۔یہ عزیز وسر بلند انسان پیغمبر کا

وارث بن سکتا ہے۔

نہ مروانی، نہ عباسی

شیخ کلینیؒ نقل کرتے ہیں کہ جب امام محمد باقرؑ نے اپنے فرزند امام صادقؑ کو دیکھا تو فرمایا: ''یہ میرا وہ فرزند ہے جسے خداوند عالم نے بزرگ وباعظمت قرار دیا ہے''۔ اس قول کی شرح میں یہ کہا گیا ہے کہ جس شخص کی کمزوری وناتوانی فقط زمین تک محدود ہے وہ کامیاب ہے۔ مسلمان اگر کمزور ہے تو اس کی یہ کمزوری فقط روئے زمین تک ہے ورنہ آسمانوں میں اور عالم باطن میں وہ عزیز وسربلند اور گراں قدر حیثیت کا حامل اور کامیاب ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک غیر الٰہی اور بے دین مستضعف کامیابی سے ہمکنار ہوجائے۔ اگر ایک گڑھے سے نجات پایا ہے تو دوسرے گڑھے میں گر جائے گا۔ لیکن امام صادقؑ نے اپنے شاگردوں کو مروانی حکومت کے گڑھے سے نکال کر عباسی حکومت کے گڑھے میں گرنے نہیں دیا۔ فرمایا: ''نہ مروانی اور نہ عباسی، نہ بنی امیہ اور نہ بنی عباس۔'' فقط روئے زمین پر کمزور ومستضعف رہنے والا ہی امام ہوسکتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی تمام نیک اور صالح ذریت امام ہے۔ اگرچہ قرآن کریم میں بعض افراد کو امام کہہ کر پکارا گیا ہے اور بہت سے انبیاءؑ کے سلسلہ میں امامت کا ذکر ہی نہیں ہے۔ لیکن یہ سب ابراہیمی انبیاءؑ ہیں اور خدا وند عالم نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا قبول کر لی ہے۔ امامت عطا کیا جانے والا منصب ہے حاصل کیا جانے والا نہیں چونکہ یہ عطا کیا جانے والا منصب ہے لہٰذا خداوند عالم نے فرمایا: ''میں نہیں دوں گا۔ ظالم امامت نہیں پائے گا اور میں اسے یہ منصب نہیں دوں گا۔ اگر کوئی حضرت ابراہیمؑ کی ذریت میں ظالم نہ تھا بلکہ سب عادل تھے تو حضرت ابراہیمؑ کی دعا مستجاب ومقبول ہے اور تمام ائمہ وانبیاءؑ یہاں تک خاتم اوصیاء تک حضرت ابراہیمؑ کی نیک و صالح ذریت ہیں اور ائمہ وامام ہیں۔ خداوند عالم نے اسی پہلی منزل میں امامت ابراہیمؑ کو ان کی آخری صالح اولاد تک معین ومقرر کردیا ہے۔

فرمایا: میں نے یہ منصب انہیں عطا کیا ہے۔ یہ روئے زمین پر امام ہیں۔ اس لئے کہ یہ فقط زمین کی حد میں مستضعف اور کمزور ہیں زمان کی حد میں نہیں یہ شارحین اصول کافی کا قول ہے کہ خداوند عالم فقط ان لوگوں کو امامت عطا کرتا ہے جو مسلمان، موحد، پاک باطن اور پاک دل ہوں۔ ان کے علاوہ کسی اور کو نہیں بخشا۔

آپ نے عباسیوں کی سازش کے بارے میں سنا ہوگا کہ انہوں نے کچھ پیسہ اکٹھا کیا اور اسے خراسان کے شیعوں کے خمس کی رقم کے عنوان سے مدینہ لے آئے تاکہ بنی ہاشم کے درمیان اس رقم کو تقسیم کر کے ان سے اس کی رسید لے لیں، چنانچہ جو شخص اس سازش کا عامل اور مہرہ تھا وہ خراسان (یا کہیں اور سے) وہ رقم لے کر مدینہ آیا اور اس نے کچھ لوگوں کے درمیان وہ رقم تقسیم کر کے اس کی رسید لے لی، پھر امام صادقؑ کی جستجو میں نکلا۔ اس نے دیکھا کہ امامؑ مسجد نبوی

کے اندر نماز میں مشغول ہیں۔ وہ امام صادقؑ کے پیچھے بیٹھ گیا۔ امامؑ نے فوراً اپنی نماز تمام کی اور فرمایا: اس سازش سے ہاتھ اٹھالو۔ یہ بنی ہاشم ابھی مروانیوں کے تسلط سے آزاد ہوئے ہیں۔ اب یہ کہتے ہیں کہ نہ ہمیں مروانی قبول ہے نہ عباسی۔ ہم نے اگر ایک کے ظلم سے نجات حاصل کر لی ہے تو دوسرے کے ظلم سے مقابلہ کریں گے۔ یہ ایک الٰہی مستضعف کا قول ہے۔ مستضعف سوائے خدا کے کسی اور پر بھروسہ نہیں کرتا۔ اسطرح امام صادقؑ نے اس روز اس سازش کا پردہ چاک کر ڈالا اور کھل کر اس کی مذمت کی۔

امامؑ نے فرمایا: یہ (بنی ہاشم) بے چارے ہیں۔ ان کو فریب نہ دو۔ یہ ابھی ابھی اموی ستمگاروں کے ظلم سے آزاد ہوئے ہیں اب انہیں عباسیوں کے ظلم میں کیوں مبتلا کرتے ہو۔ آپؑ نے فرمایا: ہماری نظر میں نہ بنی امیہ درست ہیں اور نہ بنی عباس ہی اچھے ہیں۔

یہ امام صادقؑ کا مکتب فکر ہے۔ ایسا ہی شخص روئے زمین کا امام ہوسکتا ہے۔ یہی پیغمبرؐ کا وارث ہوسکتا ہے۔ جو شخص بنی امیہ کے پنجہ سے آزاد ہو کر بنی عباس کے دامن میں پناہ حاصل کرے، وہ انبیاؑء کا وارث نہیں ہے۔ خدا سے اپنا عہد نہیں دیتا۔

جب منصور دوانقی کا خط امام صادقؑ کی خدمت میں پہنچا کہ آپ بھی دوسرے درباری ملاّؤں کی طرح ہمارے دربار میں کیوں نہیں آتے؟ تو امامؑ نے اس کے جواب میں فرمایا:

''نہ میرے پاس دنیا ہے نہ اس کی خواہش کہ اس کے لئے میں تیرے پاس آؤں اور نہ تیرے پاس وہ آخرت ہے جس کے معارف سے آگاہی حاصل کرنے کے اشتیاق میں تیرے یہاں آمد و رفت پیدا کروں۔ مختصر یہ کہ میرے آنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔'' یہ ہے امامؑ کا یقین اور اعتماد سے بھرپور جواب۔ جب آپؑ تکلم پر آتے تو بنی مروان کے لئے بھی یوں ہی صریح اور قاطع اظہار فرماتے تھے۔ اس کے بعد منصور دوانقی نے از راہ مکر و فریب آپ کی خدمت میں لکھا: ''میرے پاس آیئے تا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمایئے۔'' ناصح وہ شخص ہے جو لوگوں کو اللہ کی جانب جذب کرے۔ یہ جذب کرنا اور بلانا، تبلیغ سے الگ ہے، تقریر، تحریر اور درس دینے سے جدا ہے۔ واعظ وہ ہے جسے جذب کرنے کا فن آتا ہے۔ ممکن ہے، کوئی تقریر کرے، کتاب لکھے لیکن جذب و کشش پیدا نہ کر سکے۔ کسی کو جذب کرنا ایک مشکل کام ہے۔ جب تک انسان خود مجذوب نہ ہو خود اس میں وہ جذب و کشش کی کیفیت پیدا نہیں ہوسکتی۔ جب تک وہ خود الٰہی یا اللہ والا نہ ہو اس کی باتیں دلوں میں کشش پیدا نہیں کرسکتیں۔

یہ جو خداوند عالم نے پیغمبر اکرمؐ کو واعظ کی صفت سے پہچنوایا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ خود خدا کی سمت جاتے تھے اور دوسروں کو بھی اپنے ہمراہ لے جاتے تھے۔ جو خدا کی طرف پیش رفت کا اہل ہوتا اسے اپنے ہمراہ لے جاتے تھے۔ انسان یا خود خدا کی طرف جاتے ہیں یا انہیں لے جایا جاتا ہے۔ پیغمبر اکرمؐ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔ خدا جب

دوسرے انبیاءؑ کے بارے میں اظہار کرتا ہے تو فرماتا ہے: یہ لوگ آئے، اور خاتم الانبیاءؑ کے سلسلہ میں ارشاد فرماتا ہے: ''میں انہیں لے آیا'' دیگر انبیاءؑ کے لئے (خدا کی طرف) جانے کی بات کہی گئی ہے اور خاتم الانبیاءؑ کو لے جانے کا تذکرہ ہے۔ اگر موسیٰؑ کا ذکر ہے تو ارشاد ہوتا ہے: وَلَمَّا جَاءَ مُوْسَیٰ لِمِيْقَاتِنَا (جب موسیٰ ہماری میعادگاہ پر آئے) اعراف/ ۱۴۳ اور جب حضرت ابراہیمؑ کی آفاقی والٰہی سیرت کی بات آتی ہے تو ارشاد ہوتا ہے ''اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ'' میں اپنے پروردگار کی طرف جارہا ہوں (الصافات/ ۹۹) لیکن جب پیغمبر اکرمؐ کے ملکوتی سفر کا تذکرہ ہوتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے: ''سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصیٰ'' یعنی پاک و پاکیزہ ہے وہ خدا جس نے اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی سیر کرائی۔ (بنی اسرائیل/ ۱) یعنی خدا اپنے بندہ کو جذب وکشش کے ذریعہ لے گیا۔

انبیاءؑ خدا کی جانب جاتے ہیں، اپنی پیروی کرنے والوں کو بھی اپنے ہمراہ لے جاتے ہیں۔ جو خدا کی طرف لے جانے کی صلاحیت رکھتا ہے واعظ ہے اور جو ایک گروہ کے ساتھ جانے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ بھی واعظ ہے۔ جو فقط باتیں بناتا ہے، مقرر تو ہے واعظ نہیں ہے کیونکہ وہ صرف باتیں کرتا ہے جذب وکشش نہیں رکھتا۔ آپ نے قرآن میں دیکھا ہوگا کہ خداوند عالم پیغمبرؐ سے متعلق فرماتا ہے ''اٹھو اور لوگوں کو اللہ سے ڈراؤ'' کیا ہر شخص کو یہ فن آتا ہے کہ وہ لوگوں کو خدا سے ڈرائے؟ آپ دیکھتے ہیں کہ خداوند عالم دینی مدارج میں 'عالم' کو پیغمبر کا وارث بناتا ہے پیغمبر کا سب سے اہم منصب ''انذار'' اور ڈرانا ہے۔ ''اٹھو اور لوگوں کو ڈراؤ'' تاکہ لوگ صرف خدا سے ڈریں اور اگر لوگ خدا سے ڈریں تو کسی اور سے خوفزدہ نہ ہوں گے۔

امام صادقؑ دولت کو ٹھوکر مار کر فرماتے ہیں: ہم نہ بنی مروان کے آگے جھکیں گے نہ بنی عباس کے روبرو سرنگوں ہوں گے۔ لوگوں نے دیکھا کہ یہ دولت سے جذب نہیں ہوتے، مکروفریب کے ذریعہ درباری ملّا بنانے کی دعوت سے بھی جذب نہیں ہوتے تو منصور کے حکم سے امامؑ کے گھر کو آگ لگادی گئی۔ شیخ کلینیؒ نقل کرتے ہیں: دیکھنے والوں نے دیکھا کہ امامؑ نے آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں پر قدم رکھ کر فرمایا: ہم اصل و اساس زمین کی اولاد ہیں، ہم ابراہیمؑ کی اولاد ہیں یعنی اے منصور دوانقی اگر تو نمرود کی جگہ پر بیٹھا ہوا ہے، اور ابراہیمؑ نہیں ہیں تو میں ابراہیمؑ کی جگہ ہوں حق یہی ہے کہ ہم آگ پر مسلط ہیں۔ میں اسی ابراہیمؑ کا بیٹا ہوں کیا ابراہیمؑ آگ پر مسلط نہیں ہوئے آج بھی وہی ولایت موجود ہے جو مجھ سے ظاہر ہو رہی ہے، ہم انبیاء کرامؑ کے فرزند ہیں ہماری تربیت ایک ایسے گھر میں ہوئی ہے جس کی اصل و اساس ان انبیاء کے ہاتھوں تشکیل پائی ہے۔ یہ ہے مروانیوں اور عباسیوں کی گندی سیاست کے مقابلہ میں امام صادقؑ کا بیباکانہ طرز اور مذکورہ بالا فرمائشات امامؑ کی علمی فرمائشات نیز زہد و تقویٰ سے متعلق دستورات ہیں۔

